جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النساء

(۲۳)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ، اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ، وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ

(یہ جھٹلاتے ہیں تو جھٹلائیں)، مگر اللہ اُس چیز کی گواہی دیتا ہے جو اُس نے تم پر نازل کی ہے۔[۲۵۰] اُس نے اپنے علم کے ساتھ اُسے نازل کیا ہے۔ اور اُس کے فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہی کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے۔[۲۵۱] جن لوگوں نے ماننے سے انکار کیا ہے اور اللہ کی راہ سے روکا ہے، وہ بڑی دور کی

[۲۵۰] اِس جملے کی ابتدا حرف استدراک 'لٰكِن' سے ہوئی ہے۔ یہ استدراک اُس بات پر ہے جو اوپر کی آیتوں سے مفہوم ہوتی ہے۔

[۲۵۱] یعنی اِس بات کی گواہی کے لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اُس نے اِس کو اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے، لہٰذا یہ ہر لحاظ سے خالص اور بے آمیز ہے، اِس میں نفس اور شیطان کے کسی وسوسے کو کوئی دخل نہیں ہے۔

قرآن نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمائی ہے، لیکن یہ وحی کی صداقت کے لیے ایک دلیل بھی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"...اوپر وحی کی صداقت کی جو دلیل بیان ہوئی ہے، اُس کی نوعیت تاریخی شہادت کی ہے۔ یعنی انبیا کی تاریخ اور

ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ، قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ، فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ

گمراہی میں جا پڑے ہیں۔ جن لوگوں نے ماننے سے انکار کیا اور (اِس طرح اپنی جانوں پر) ظلم کیا ہے، اللہ اُنھیں بخشنے والا نہیں ہے اور نہ اُنھیں جہنم کے سوا کسی راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔ یہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ کے لیے یہ بہت آسان ہے۔ ۱۶۶-۱۶۹

لوگو، تمھارے پاس یہ رسول تمھارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر آ گیا ہے۔[۲۵۲] سو (اِس پر) ایمان لاؤ، اِسی میں تمھاری بہتری ہے۔ اور اگر انکار پر جمے رہو گے تو یاد رکھو کہ (اللہ کا کچھ نہیں بگاڑو

اُن کی وحی کی کسوٹی پر جانچ کر قرآن اور پیغمبر کا درجہ متعین کیا گیا ہے۔ اب یہ ایک دوسری دلیل بیان ہوئی ہے جس کی نوعیت ایک باطنی دلیل کی ہے۔ اِس کا مدعا یہ ہے کہ پیغمبر اپنے باطن میں خدا اور فرشتوں کی شہادت اِس طرح سنتا، سمجھتا اور پرکھتا ہے کہ اُس کے لیے اپنی وحی کی صداقت پر کسی شبہے کی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ اِس طرح کی شہادت کسی غیر نبی کو حاصل نہیں ہوتی۔ اِس وجہ سے کسی غیر نبی کے الہام اور نبی کی وحی میں آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنی جس کیفیت کو الہام سمجھ رہا ہے، وہ محض ایک وسوسۂ نفسانی یا شیطانی ہو، لیکن پیغمبر پر وحی جس افق سے آتی ہے، جس زور و قوت کے ساتھ آتی ہے اور اللہ اور ملائکہ کی جس تائید و شہادت کے ساتھ آتی ہے، وہ بجاے خود ایک ایسی برہان ہوتی ہے جس کے بعد کسی شبہے کی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی۔ وحی کی صداقت کا یہی پہلو ہے جس کی وجہ سے ساری خدائی بھی نبی کی تکذیب کرے، تب بھی اُس کے اعتماد میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ اُس کی بزم و انجمن اُس کے باطن کے اندر ہوتی ہے، جہاں اُس کو خدا اور روح القدس کی معیت حاصل ہوتی ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۴۳۳)

[۲۵۲] آیت میں خطاب اگرچہ عام ہے، لیکن آگے کے مضمون سے واضح ہے کہ روے سخن اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کی طرف ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ، لَا تَغْلُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ، وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ، اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَی ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَاۤ اِلٰی مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا: ثَلٰثَةٌ، اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، اِنَّمَا اللّٰهُ

گے، اِس لیے کہ) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔ (وہ ہر ایک کو اُس کے اعمال کی جزا دے گا، اِس لیے کہ) اللہ علیم و حکیم ہے۔ اے اہل کتاب، اپنے دین میں غلو[۲۵۳] نہ کرو اور اللہ کے حق میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔[۲۵۴] حقیقت یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے ایک رسول اور اُس کا ایک قول ہی تھے جو اُس نے مریم کی طرف القا فرمایا تھا اور اُس کی جانب سے ایک روح تھے (جو اللہ نے اُس میں پھونک دی تھی)۔[۲۵۵] سو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (اللہ کو) تین نہ بناؤ۔[۲۵۶] باز آجاؤ،

---

[۲۵۳] یہ لفظ جب دین کے تعلق سے آتا ہے تو اِس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ دین میں جس چیز کا جو درجہ و مرتبہ اور جو وزن اور مقام ہے، اُسے بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دیا جائے۔ یہاں اِس سے اشارہ اُس غلو کی طرف ہے جس کے سبب سے نصاریٰ نے پورے دین کا حلیہ بگاڑا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اُس کے رسول تھے۔ اُن کو اُنھوں نے خدا کا بیٹا بنایا اور پھر اُن کو لے جا کر خدائی کے عرش پر بٹھا دیا۔ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کی والدہ تھیں، اُن کو نعوذ باللہ خدا کی ماں بنایا۔ حضرت جبریل خدا کے بندے اور فرشتے ہیں، اُن کو بھی ایک اقنوم کی حیثیت دے کر خدائی کی تثلیث میں شریک کر دیا۔ سیدنا مسیح نے دنیا اور دنیوی زندگی کے زخارف سے بچتے رہنے کی تاکید فرمائی تو اُنھوں نے رہبانیت کا ایک پورا نظام کھڑا کر دیا۔ غرض اِس غلو کے ہاتھوں اُنھوں نے مذہب کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی جو اپنی جگہ پر برقرار رہ گئی ہو۔ فرش کی چیز عرش پر پہنچ گئی اور عرش کی چیز فرش پر آرہی۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۴۳۵)

[۲۵۴] دین میں غلو کا فتنہ اِسی سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف اگر وہی بات منسوب کی جائے جو اُس نے کہی ہے تو اِس طرح کا کوئی فتنہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

[۲۵۵] یعنی خدا کا کلمۂ 'کن' اور اُس کی طرف سے ایک روح تھے جو اُسی طرح پھونکی گئی، جس طرح آدم و حوا میں پھونکی گئی تھی۔ اِس کی بنا پر اُنھیں خدائی کا درجہ آخر کس طرح دیا جا سکتا ہے؟

اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ، سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ، لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ،
وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیۡلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا
الۡمَلٰٓئِکَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ، وَمَنۡ یَّسۡتَنۡکِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَیَسۡتَکۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُهُمۡ اِلَیۡهِ
جَمِیۡعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ
وَیَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ، وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡکَفُوۡا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا
اَلِیۡمًا، وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۷۳﴾

یہی تمھارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی تنہا معبود ہے، وہ اِس سے پاک ہے کہ اُس کے اولاد ہو، زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے اور اُن کے معاملات کو دیکھنے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔[۲۵۷] مسیح کو ہرگز اِس بات سے کوئی عار نہ ہوگی کہ وہ اللہ کا ایک بندہ ہو اور نہ اللہ کے مقرب فرشتے اِسے کبھی عار سمجھیں گے۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا اور تکبر کرتا ہے تو عنقریب وہ سب کو گھیر کر اپنے حضور میں اکٹھا کر لے گا۔ پھر جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے عمل کیے ہیں، اُنھیں وہ پورا پورا اجر دے گا اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا فرمائے گا۔ اور جن لوگوں نے اُس کی بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا ہے، اُنھیں وہ دردناک سزا دے گا اور اللہ کے مقابل میں وہ اپنے لیے کوئی حمایتی اور کوئی مددگار نہ پائیں گے۔[۲۵۸] ۱۷۰-۱۷۳

---

[۲۵۶] اس سے مراد نصاریٰ کا عقیدۂ تثلیث ہے۔ یہ پال (Paul) کی اختراعات میں سے ہے اور اِس کی رو سے باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں الوہیت میں شریک ہیں۔ تاہم اِس کی تعبیر اس طریقے سے کی گئی ہے کہ توحید پر ایمان کا دعویٰ بھی برقرار رہے۔

[۲۵۷] یعنی جب خلق اور خلق کے تمام معاملات کو دیکھنے کے لیے اللہ ہی کافی و وافی ہے تو کسی کو خدائی میں شریک کرنے کی گنجایش کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟

[۲۵۸] اِس کا صحیح زور سمجھنے کے لیے 'لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ' کی آیت نگاہ میں رہنی چاہیے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ، قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ، وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾

لوگو، تمھارے پاس اللہ کی حجت آگئی ہے اور ہم نے تمھاری طرف ایک ایسی روشنی نازل کر دی ہے جو (ہر چیز کو) واضح کر دینے والی ہے[۲۵۹]۔ اِس لیے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اُنھوں نے اُسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا ہے، اُنھیں وہ اپنی رحمت اور اپنی عنایتوں کے (سایے میں) داخل کرے گا اور اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ دکھا دے گا[۲۶۰]۔ ۱۷۴-۱۷۵

’’...غلو کے فتنے میں مبتلا ہونے کا بڑا سبب درحقیقت استکبار ہے۔ جو لوگ کسی چیز یا کسی شخص کو مان لیتے ہیں، وہ اگر حدود سے واقف یا اُن کو ملحوظ رکھنے والے نہ ہوں تو اُن کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ اُس چیز یا شخص کو سب چیزوں اور تمام اشخاص سے بڑھ کر ثابت کر دکھائیں۔ پھر وہ اپنے استکبار کے اعتبار سے اُس کو بڑھانا شروع کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ اُس کو بڑھاتے بڑھاتے اُس حد تک پہنچا دیتے ہیں جہاں پہنچ کر اُن کے استکبار کو تسلی ہو جاتی ہے کہ اب برتری کے میدان میں کوئی اُن کا حریف نہیں رہا اور یہاں کوئی اُن کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ عیسائیوں کو یہی فتنہ پیش آیا۔ اُنھوں نے جب حضرت عیسیٰ کو مانا تو صرف اتنے ہی پر قانع نہ رہ سکے کہ اُن کو اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول مانیں۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ اللہ کے بندے اور رسول تو بہت سے ہیں، اگر مسیح بھی اللہ کے بندے اور رسول ہی ہیں تو پھر اُن کا اور اُن کے ماننے والوں کا امتیاز کیا ہوا؟ اِس محرک نے، جو کھلا ہوا استکبار ہے، اُنھیں آمادہ کیا کہ وہ کھینچ تان کر اُن کو شریک خدا ثابت کریں۔‘‘ (تدبر قرآن ۲/ ۴۳۷)

[۲۵۹] اِس سے مراد قرآن مجید ہے جس کے لیے اصل میں ’بُرْهَانٌ‘ اور ’نُوْرًا مُّبِيْنًا‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ پہلے لفظ سے قرآن کے عقلی اور استدلالی پہلو کو واضح فرمایا ہے کہ وہ ایک برہان قاطع ہے اور دوسرے سے اُس کے عملی پہلو کو کہ زندگی کے تمام معاملات میں وہ انسان کو ایسی رہنمائی عطا فرماتا ہے جو اُسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتی ہے۔

[۲۶۰] یعنی قیامت میں اپنے قرب کی طرف رہنمائی فرمائے گا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

’’...یہ بات کہ اِس ہدایت کا تعلق آخرت سے ہے، اِس سے نکلتی ہے کہ اِس کا عطف ’فَسَيُدْخِلُهُمْ‘ پر ہے جس

يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ، قُلِ: اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِي الۡكَلٰلَةِ، اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ

وہ تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ (اِن سے) کہو: اللہ تمھیں کلالہ رشتہ داروں کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے:[۲۶۱] اگر کوئی شخص بے اولاد مرے[۲۶۲] اور اُس کی ایک بہن ہی ہو تو اُس کے لیے ترکے کا آدھا ہے اور اگر

کا تعلق صریحاً آخرت سے ہے اور یہ بات کہ یہ ہدایت مطلوب و مقصود کی طرف ہے، 'اِلَيۡهِ' کے لفظ سے نکلتی ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ پر ایمان اور اُس حبل اللہ کو، جو قرآن کی شکل میں اُن کی طرف نازل ہوئی ہے، مضبوطی سے پکڑ لیں گے، خدا اُن کو اپنی رحمت اور فضل بے پایاں سے بھی نوازے گا اور براہ مستقیم اور براہ راست اُن کی رہنمائی اپنے قرب کی طرف بھی فرمائے گا اور یہ آخرت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ اِس لیے کہ تمام ہدایت و شریعت کی اصل غایت اور اہل ایمان کی تمام مساعی کا اصل مقصود و مطلوب یہی قرب الٰہی ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۴۳۸)

[۲۶۱] لفظ 'کلالة' کی تحقیق اِس سے پہلے اِسی سورہ کی آیات ۱۱-۱۲ کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ یہ اب چوتھے اور آخری سوال کا جواب ہے جو اولاد کی عدم موجودگی میں بھائی بہنوں کی میراث کے بارے میں پیدا ہوا ہے۔ اِس کا اشارہ اگرچہ آیات ۱۱-۱۲ میں بھی موجود تھا، لیکن جب لوگ نہیں سمجھے اور اُنھوں نے سوال کیا تو قرآن نے اُس کو پوری صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ آیت کی ابتدا 'قُلِ: اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِي الۡكَلٰلَةِ' کے الفاظ سے ہوئی ہے۔ اِس میں، اگر غور کیجیے تو وہی اسلوب ہے جو 'يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِيۡٓ اَوۡلَادِكُمۡ' میں ہے، وہاں وصیت میت کی وارث اولاد کے بارے میں ہے اور یہاں فتویٰ میت کے وارث کلالہ رشتہ داروں کے بارے میں ہے۔ لفظ 'کلالة' پر الف لام دلیل ہے کہ سوال کلالہ وارثوں میں سے کچھ مخصوص اقربا سے متعلق ہے اور جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقربا میت کے بھائی بہن ہیں۔ تمام کلالہ رشتہ داروں، مثلاً چچا ماموں، بھائی بہن، خالہ پھوپھی میں سے کسی کو وارث بنا دینے کی اجازت آیات میراث میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں عام کے بعد خاص کا ذکر ہے۔ یہ چیز ملحوظ رہے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا: کہہ دو، اللہ تمھیں کلالہ رشتہ داروں میں سے بھائی بہنوں کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔

[۲۶۲] اصل میں 'اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ بھائی بہنوں کے میراث پانے کے لیے اُسی طریقے پر شرط ہے، جس طرح 'فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ' میں ہے۔ وہاں معنی یہ ہیں کہ میت بے اولاد ہو اور ماں باپ ہی وارث ہوں تو اُن کا حصہ یہ ہے اور یہاں مفہوم یہ ہے کہ مرنے والے کے اولاد نہ ہو اور اُس کے بھائی بہن ہوں تو اُن کا حصہ اِس طرح ہے۔ اِس سے واضح ہے کہ بھائی بہن صرف اولاد کی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ، وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ، فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ، وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ، يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا، وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴿۱۷۶﴾

بہن بے اولاد مرے تو اُس کا وارث اُس کا بھائی ہے۔ اور بہنیں اگر دو ہوں تو اُس کے ترکے میں سے دو تہائی پائیں گی اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے[۲۶۳]۔ اللہ تمھارے لیے وضاحت کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ ۱۷۶

غیر موجودگی میں وارث ہوتے ہیں۔ اولاد موجود ہو تو میت کے ترکے میں اُن کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے، اِلّا یہ کہ مرنے والا آیت ۱۲ میں کلالہ کے حکم عام کے تحت اُن میں کسی کو بچے ہوئے ترکے کا وارث بنا دے۔

[۲۶۳] بھائی بہنوں کے جو حصے یہاں بیان ہوئے ہیں، اُن میں اور اولاد کے حصوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ آیت میں 'وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ' کا اسلوب دلیل ہے کہ یہ حصے بھی والدین اور بیوی یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکے میں سے دیے جائیں گے۔ اِس کے دلائل آیت ۱۱ کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ترکے کا جو حصہ بھائی بہنوں میں تقسیم کیا جائے گا، میت کی صرف بہنیں ہی ہوں تو اُنھیں بھی اُسی کا دو تہائی اور اُسی کا نصف ادا ہوگا۔

—— جاوید

جمعرات، ۱۱ / ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

۲۰ / مارچ ۲۰۰۸ء

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com